ڈاکٹر آفتاب اقبال (فرزند اکبر علامہ اقبال)
ترجمہ: عبداللہ شاہ ہاشمی

اقبال ——— ایک عظیم مفکّر و شاعر

صدر محترم، معزز خواتین و حضرات! مجھے کراچی کونسل کی طرف سے آج کے اجلاس کے افتتاح کی جو دعوت دی گئی ہے میں اسے اعزاز سمجھتا ہوں اور کونسل کا حد درجہ ممنون ہوں کہ اس نے اس موقع پر میرا انتخاب کر کے میری عزت افزائی کی۔ آج کے اجتماع کا مقصد اس نابغہ روزگار شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنا ہے جسے بجا طور پر پاکستان کا روحانی باپ کہا جا سکتا ہے۔ اقبال کو اس دار فانی سے گزرے تیس برس بیت چکے ہیں لیکن روحانی طور پر وہ ہمیں اتنا ہی قریب محسوس ہوتے ہیں جتنا اپنی زندگی میں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم ان کے قریب تر آ گئے ہیں۔ آج سے نصف صدی قبل انھوں نے اپنے شاعرانہ تخیل کی سطح پر جو کچھ سوچا اور محسوس کیا وہ آج ہمارے انفرادی اور قومی تجربے کا حصہ بن چکا ہے۔ ان کی شخصیت اس عظیم پہاڑ کی طرح ہے جسے دامن کی پہاڑیوں نے دھندلا رکھا ہو مگر قریب پہنچ کر آگے بڑھیں تو بلندی کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔ برصغیر ہند و پاک کی آنے والی مسلمان نسلیں خصوصی طور پر اور باقی دنیا عمومی طور پر اقبال کو ہم سے زیادہ واضح طور پر سمجھنے میں کامیاب ہوں گی۔ جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے:

من نوائے شاعر فرداستم

اقبال جیسی غیر معمولی شخصیت کی عبقری صلاحیتوں کی دریافت کے لیے ہمیں ایک طویل مدت تک صبر آزما تحقیقی مطالعے کی ضرورت ہے جس سے اُن کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی حالات و ماحول اور عوامل کا اندازہ ہو سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ وقت سے بہت پہلے پیدا ہوئے اور بام شہرت پر پہنچ کر ایسے وقت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے جب ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ حالانکہ یہ ایسا نازک وقت تھا جب عوام الناس کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے اُن جیسے صاحب علم و دانش، صاحب تخیل، اور صاحب کردار رہنما کی ضرورت تھی۔ انھوں نے اپنی بے پناہ جرأت اور جسارت کی بنا پر مذہب، سیاست اور معاشرتی اصلاحات کے ضمن میں نہ صرف اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا بلکہ ایسے بہی خواہوں کی مخالفت بھی مول لی جن سے وہ اخلاقی تعاون کی توقع رکھتے تھے۔ یورپ میں تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۲۱ء میں جب میں لاہور واپس پہنچا تو میں نے انھیں ان قوتوں

یعنی برطانوی سامراج ، ہندو فرقہ پرستی اور پنجاب یونی نسٹ پارٹی سے برسرپیکار پایا۔ یونی نسٹ پارٹی، ہندو اور مسلمان جاگیرداروں پر مشتمل تھی اس کی بنیاد اُن کے ایک پرانے دوست میاں سر فضل حسین مرحوم نے رکھی۔ اس معاملے میں انھیں انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ مسلم لیگ (پاکستان کے حصول کے لیے) تقسیم ہند کی حامی تھی۔ یونینسٹوں کا مقصد مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرکے مسلم لیگ کو شکست دینا تھا۔ علامہ اقبال نے پوری قوت سے یونینسٹوں کے خلاف جنگ کی۔ آخرکار اُسے ۱۹۴۶ء میں قائداعظم کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔

اس دوران میں آپ کو اپنے سیاسی دشمنوں کے ہاتھوں اذیت اٹھانا پڑی۔ انھوں نے عام لوگوں میں اقبال کے اثرات کو زائل کرنے کی پوری کوشش کی مگر منہ کی کھائی۔ جب مرحوم دین محمد کو یونینسٹ پارٹی نے ہائی کورٹ کی ججی دے کر مسلم لیگ سے الگ کرلیا تو پنجاب میں علآمہ اقبال اور ملک برکت علی دو ہی افراد مسلم لیگ کے لیے لڑنے والے رہ گئے۔ یہاں علآمہ مرحوم کی شاعری کے کچھ نمونے پیش کرتا ہوں جو اس مشکل وقت میں لکھے گئے۔ انھوں نے بڑے تحمل اور وقار کے ساتھ اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے:

یا رب یہ جہانِ گزراں خوب ہے لیکن — کیوں خوار ہیں مردانِ صفاکیش و ہنرمند
گو برگ گیا ہے نہ ہی اہلِ خرد را — او کشتِ گل و لالہ بہ بخشد بخرے چند
احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر — تاویل سے قرآں کو بنادیتے ہیں پاژند
مدت سے ہے آوارۂ افلاک مرا فکر — کردے اسے اب چاند کی غاروں میں نظربند
فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی — خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی — گھر میرا نہ دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق — نے ابلۂ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش — میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش — خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند
ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش — میں بندۂ مومن ہوں، نہیں دانۂ اسپند
پُرسوز و نظرباز و نکوبین و کم آزار — آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند
ہر حال میں میرا دلِ بے قید ہے خرم — کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکرخند

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک وہ خاک کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک
وہ خاک کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

کہتا ہے زمانے سے یہ درویشِ جواں مرد جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی ادھر جا
ہنگامے ہیں میرے تیری طاقت سے زیادہ بچتا ہوا بنگاہِ قلندر سے گزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا! ہے تجھ میں مکر جانے کی ہمت تو مکر جا!
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر! ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر!

مخالفت کے زبردست طوفان ان سے ٹکراتے رہے لیکن وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ ان کے ہندو اور مسلمان دشمنوں نے مشترکہ کوششیں کیں کہ ان کے لیے اور ان کے خاندان کے لیے انتہائی اقتصادی مشکلات پیدا کریں لیکن علامہ اقبال اپنے سیاسی موقف سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹے۔ ان کی زندگی ایک جہدِ مسلسل تھی اور وہ اصولوں کی خاطر ہر چیز حتیٰ کہ بچوں کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ تاہم ان کے دل میں کسی کے خلاف نفرت اور بغض و کینے کا جذبہ نہ تھا۔ میں نے ان جیسا عمیق محبت و نفرت رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ درج ذیل اشعار میں وہ "مردِ بزرگ" کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ یہ اشعار ان کی شخصیت پر پوری طرح صادق آتے ہیں:

اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق!
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں   بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا   اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

جب آپ نے ۱۹۳۸ء میں وفات پائی تو سر سکندر حیات کی سرکردگی میں یونینسٹ پارٹی نے اس بات کی مخالفت کی کہ انھیں شاہی مسجد کے احاطے میں، جہاں بعد میں اُن کا مزار بنا، دفن کیا جائے۔ برطانوی صوبائی حکومت شاعرِ مشرق کے مرتبے سے واقف تھی۔ ایک صاحبِ کردار انسان کی حیثیت سے وہ اقبال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ حکومت کو اس معاملے میں مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ تھا اس لیے اس نے اپنی ذمہ داری پر مسجد کے احاطے میں علامہ کی تدفین کی اجازت دے دی حالانکہ اس کے لیے مرکزی حکومت سے پیشگی اجازت ضروری ہوتی تھی۔ آج جبکہ بادشاہ، شہزادے، کسان، سیاستدان، ملکوں کے سربراہ اور ڈپلومیٹس ان کے مقبرے پر پھولوں کی چادر چڑھانے جاتے ہیں تو دنیا ان کے سیاسی مخالفین کو مکمل طور پر فراموش کر چکی ہے جن کا مقصدِ وحید دولت اور قوت کا حصول تھا۔ اقبال کو تاریخ میں ایک نہایت دیانت دار، مخلص، بے غرض اور عوام کے دیانت دار خادم کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

دنیا کے ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے ان کا امتیاز بلاشبہ ناقابلِ تردید ہے لیکن جس چیز نے انسانی تاریخ اور خصوصاً اسلامی نظریات کی تاریخ میں ابدیت بخشی ہے وہ محض ان کی شاعری نہ تھی۔ شاعری تو ان کی نظر میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی ان کا وسیع علمی تبحر، غیر معمولی ذہانت، خیالات کی بلند پروازی، فنکارانہ تخیل۔ فی الحقیقت ان تمام چیزوں نے ان کی شہرت کو چار چاند لگانے میں اپنا حصہ ادا کیا۔ پھر حضورؐ پاک کی ذاتِ اقدس سے شدید لگاؤ اور حقیقی محبت، انتہائی خلوص اور جوش و جذبہ جس سے انھوں نے اپنے عقائد و نظریات کا پرچار کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی و معاشرتی حقوق کے لیے دلیرانہ جنگ اور اسلام کو جدید نظریات کے رنگ میں پیش کرنے کی بے مثال خدمت نے انھیں برصغیر کی تاریخ خصوصاً عالمِ اسلام میں بلند مقام بخشا۔ مغربی دنیا کے لیے اسلام کو قابلِ فہم نظریے کے طور پر پیش کرنا ضروری کام تھا جسے ایک ایسا شخص ہی کر سکتا تھا جو اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ مغربی فلسفہ اور جدید سائنس سے واقف ہو۔ علامہ اقبال کے کلام سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ طبیعات، مابعد الطبیعات، بیالوجی اور معاشرتی سائنس کو جدید نظریات کا اپ ٹو ڈیٹ مطالعہ رکھتے تھے۔ انھوں نے سائنس، فلسفہ اور لٹریچر کے لیے جدید ترین نظریات کا مطالعہ اس طرح کیا تھا کہ وہ مذہبی اور فلسفیانہ مسائل

میں دلائل دیتے وقت ان کا بخوبی استعمال کر سکتے تھے۔ وہ ان چند افراد میں سے تھے جنھوں نے آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کا بغور مطالعہ کر کے اُسے سمجھا تھا۔ انھوں نے اس کے سائنسی اور فلسفیانہ پہلوؤں کا مطالعہ بھی کیا تھا (خصوصاً زمان و مکان کے بارے میں آئن سٹائن کے نظریہ کے مذہبی اطلاق کے بارے میں)۔

اس موقعے پر میں اشتراکیت کے بارے میں اقبال کے نقطۂ نظر کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان کے کچھ مداح اور نقاد اس اہم مسئلے پر بڑے شد و مد سے اقبال کو مسلم کمیونسٹ اور مغربی جمہوریت کے شارح کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اس دلیرانہ اور غیر ذمہ دارانہ دعوے سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اقبال یقیناً دولت کی منصفانہ تقسیم کے قائل تھے لیکن سراسر اسلام کے معاشرتی اور معاشی طریقہ کار کے تحت — جب وہ نجی ملکیت پر پابندی نافذ کرنے پر یقین رکھتے تھے اور ضرورت پڑنے پر اُسے بالکل ختم کر دینے کی حد تک تیار تھے۔ وہ ذرائع پیداوار کو قومیانے کے دشمن تھے۔ ان کے نقطۂ نظر میں اسلام میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ضرورت پڑنے پر مسلم حکومت کو معاشی تقاضوں کے پیشِ نظر انفرادی ملکیت کو ختم کرنے سے روکے۔ محض نجی ملکیت کا خاتمہ اشتمالی اندازِ فکر میں قومی ملکیت نہیں بناتا، جیسا کہ روس میں پہلے ہوا لیکن موجودہ عہد میں قدرے آزادی دی گئی ہے۔ کمیونزم تمام ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں لیتا ہے، نجی ملکیت کو کلی طور پر ختم کرتا ہے، مذہب پر پوری پابندی لگاتا ہے اور فرد کی برین واشنگ کے بعد اُسے ریاست پر کلی انحصار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ علامہ اقبال کے خیال میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں فرد کے جسم کی پرورش کرتے ہیں لیکن اس کی روح کو مفلس بناتے ہیں۔ قدرتی طور پر اسلام ایسے اشتراکی فلسفۂ حیات کا مخالف ہے جو خدا کے وجود کا منکر ہے اگرچہ اُسے اس کے معاشی طریق کار سے ہمدردی ہے۔ اقبال کے نقطۂ نظر میں اسلام کا معاشی نظام کیمونزم کے معاشی نظام سے بہت برتر ہے۔ یہ ایک دن کیمونزم کو بحیثیت معاشی نظام ختم کر دے گا۔ اسلام میں ایک مادی ذہنی پر ایمان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ انسان کے لیے ایسے عمدہ مواقع فراہم کرتا ہے جس سے انسان کی خودی کی بہترین نشوونما ہو اور اس کی جسمانی بہبود بھی۔ جاوید نامہ کے درج ذیل اشعار کیمونزم اور سرمایہ داری سے متعلق شاعر کا نقطۂ نظر واضح کرتے ہیں:

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل   یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
زانکہ حق در باطلِ او مضمر است   قلبِ او مومن دماغش کافر است

غربیاں گم کردہ اند افلاک را — در شکم جویند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک — جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس
تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخِ او در دل نہ در آب و گِل است
ہم ملوکیت بدن را فربہی است — سینۂ بے نور او از دل تہی است
مثلِ زنبورے کہ بر گل مے چرد — برگ را بگزارد و شہدش برد
ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب — ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب
زندگی ایں را خروج آں را خراج — درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج!

روس اور چین میں انقلاب سے بہت پہلے اقبال ایک انقلابی تھے۔ اگر وہ کسی ریاست کے سربراہ ہوتے تو وہ کلی اختیارات کو بروئے کار لاتے، ایک مضبوط فوج کے ذریعے موجودہ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے خلاف جنگ کرتے اور ان کے بجائے اسلامی نظامِ معیشت قائم کرتے۔ یہ نظام متذکرہ بالا نظاموں کی خامیوں سے مبرّا ہے اور ان کی خوبیوں کا جامع ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسلام کا نظامِ وراثت سرمایہ داری کی بیخ کنی کرتا ہے اور اشتراکیت کے خلاف فرد کو نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ چند پابندیوں کا خیال رکھا جائے۔ اہلِ روس مارکسزم اور لینن ازم پر نظرِ ثانی کرنے کے بعد رفتہ رفتہ خدا کو روس میں واپس آنے کی اجازت دے رہے ہیں اور ہمارے قریب آ رہے ہیں کیونکہ اسلام کا معاشی اور سیاسی نظام ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اور ساتھ خدا کے وجود پر ایمان کی دولت بھی بخشتا ہے جو انسانی معاشرے کی بقا اور تحفظ کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ آج یہ بات بعید از قیاس اور ناممکن نظر آئے گی لیکن پورا امکان ہے کہ سوویٹ روس اور چین ایک دن ترکی کی طرح اسلام کی عالمی برادری میں شامل ہو جائیں گے:

ہے عیاں شورشِ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اقبال اس جذبے کے مداح ہیں جس نے روس اور چین میں انقلاب پیدا کیا اور غالباً وہ برِّصغیر کے سب سے بڑے جدید شاعر تھے جنھوں نے اپنے کلام میں بارہا اشتراکیت کے حوالے دیے۔ لینن پر ان کی

مشہور نظم آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ انھوں نے لینن کی زبان سے ایسے خیالات پیش کیے جو اشتراکیت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ نظم کسی مسلمان کی طرف سے مغربی سرمایہ داری پر نہایت شدید حملہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لینن، ایک دہریہ تھا مگر خدا کے حضور پہنچ کر یوں مخاطب ہوتا ہے :

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات — حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے — ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے — بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت — میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے — تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آفات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں — حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے — کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود؟ — وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات؟
مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی — مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں — گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے — سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل — بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات
گالوں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام — یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں — ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

مغربی جمہوریت کے متعلق انھوں نے دلچسپ انداز میں اظہارِ خیال کیا۔ ان کے دو شعروں سے ہر شخص واقف ہوگا:

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو — کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں — بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

آپ کہا کرتے تھے : "جمہوریت ایک ایسا کوٹ ہے جسے تمام یورپین ممالک نے آزمائش

کے بعد آثار پھیلتا لیکن متعدد ایشیائی ممالک اسے پہننے کے لیے بے تابی کا مظاہرہ کر رہے ہیں خواہ یہ کتنا بھدا کیوں نہ معلوم ہو۔ ہر ملک کا اپنا آئینی لبادہ ہونا چاہیے جو اس کے اپنے ناپ کے مطابق ہو، جمہوریت ایک عوامی طرزِ حکومت ہے جو عوام کے ذریعے عوام کے لیے ہی ہوتی ہے۔ یہ سب سے پہلے یونان کی شہری ریاستوں میں وجود میں آئی۔ کچھ عرصہ وہاں پنپی اور پھر ناکام ہو گئی۔ کیونکہ وہ مسلسل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ جس کی وجہ سے وہ غیر ملکی جارحیت کے دفاع کے ناقابل ہو گئے۔ نتیجتاً وہ اندرونی اور بیرونی دونوں جانب سے مغلوب ہو گئے۔ یہ رومن ریپبلک میں ظہور پذیر ہوئی اور جلد ہی شاہی مطلق العنانیت میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد تقریباً پندرہ سو سال تک یورپ میں جمہوریت کا وجود نہ رہا حتیٰ کہ انگلستان میں لوگوں نے میگنا کارٹا کے ذریعے بادشاہ جان سے سیاسی حقوق حاصل کر لیے لیکن حقیقتاً جزائر برطانیہ میں جمہوریت کبھی جڑیں نہ پکڑ سکی۔

۱۷۳۲ء میں انقلابِ فرانس آیا۔ خود اختیاری کی صورت پیدا ہوئی اور پھر نپولین بونا پارٹ نے اختیارات سنبھال لیے اور آج جنرل ڈیگال بحیثیت صدر آمرانہ اختیار رکھتا ہے۔ ہسپانیہ میں ریپبلکن حکومت کو فرانکو کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اٹلی میں مسولینی نے عنانِ حکومت سنبھال لی۔

چین میں اُسے آزمایا گیا لیکن وسیع و عریض ملک ہونے کی وجہ سے وہاں ناکام ہو گئی۔ کوئی شخص سنجیدگی سے یہ نہیں سمجھتا کہ ہندوستان یا امریکہ میں قابلِ قدر جمہوریت موجود ہے جہاں بھی جمہوریت آزمائی گئی ناکام ہو گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس قدر تعلیم یافتہ نہ تھے کہ ہوش مندی سے اپنے لیڈروں کا انتخاب کر سکیں۔ ان میں اخلاقی کردار کی کمی تھی۔ اگر اخلاقی کردار کی اصطلاح کی تشریح ممکن ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ ایک طرف دیانت داری، ایمانداری، شائستگی، حُبّ الوطنی، صبر و تحمل، قوتِ برداشت اور دوسری طرف یہ خوبیاں ایک شخص میں اتنی قوت پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ نفرت، حسد اور خود غرضی اور حماقت کا مقابلہ کر سکے۔ آخر کار ہر ملک کی ایک حکومت ہوتی ہے جو اس کے لیے موزوں ہوتی ہے اور وہ ملک اسی قابل ہوتا ہے اسلام میں جمہوریت ایک روحانی اصول ہے جو بتاتا ہے کہ خدا کی نظر میں تمام مرد اور خواتین برابر ہیں۔ مغربی جمہوریت انتخاب کا ایک سیاسی طریقۂ کار ہے جو ووٹر کی خوبیوں کی بجائے سروں کو گنتا ہے۔

کلامِ اقبال کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اس کا پیغام روشنی کا ایک مینار ہے۔ ایک عظیم شاعر کی

قوم کے لیے خدا کا خاص عطیہ ہوتا ہے اور ہمیں اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس اقبال کی شاعری کا سرمایہ موجود ہے جس میں نہ صرف پیغام ہے بلکہ اس میں ایک تحریک، نظریہ حیات بھی ہے اس کی بدولت ہم اپنے قومی وطن میں اپنی تہذیب اور روایات کے مطابق باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

آنحضورؐ کے عاشق ہونے کی بدولت اقبال کے شاعرانہ تخیل کا سرچشمہ قرآن پاک ہے۔ اس نے ان کے خیالات کو پاکیزگی اور قوتِ حیات عطا کی اور ان کی زبان کو بے پناہ قوت اور وقار نصیب ہوا۔ ان کی عادت تھی کہ صبح سویرے قرآن پاک کا مطالعہ کرتے اور اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے قرآن پاک کے اوراق ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتے تب وہ اپنے پرانے خادم علی بخش کو کہتے کہ اسے دھوپ میں خشک ہونے کو رکھ دے۔

ان کا جسم شاید خاک ہو چکا ہو لیکن ان کا روحانی اثر بحیثیت شاعر، مفکر اور معلمِ انسانیت وقت اور فاصلے بسیط سے آزاد، آنے والی مسلمان اور غیر مسلم نسلوں کو امید، جرأت اور یقین کی قوت عطا کرتا رہے گا۔ اگر ان کی تعلیمات کو صحیح طور پہ سمجھا گیا، ان کی قدر کی گئی، ان کو ذہن نشین کیا گیا تو یہ تاریخ میں تعمیرِ کردار کے لیے بے پناہ قوت ثابت ہوں گی۔

اقبالؒ کا نظریۂ اخلاق

از پروفیسر سعید احمد رفیق

اقبالؒ کے نظامِ فکر میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے اخلاقی معیار کو ایک ام الفضائل کی شکل میں پیش کیا ہے لیکن یہ کہیں ایک مقام پہ مربوط اور منضبط طور پر موجود نہیں بلکہ اس کے اجزا مختلف مقامات پر منتشر ہیں۔

فاضل مصنف نے نہ صرف اس معیار کی تشریح، اس پر بحث اور اسے حاصل کرنے میں ایجابی اور سلبی اقدار کو پیش کیا ہے بلکہ اقبال کے نظریۂ اخلاق کو صراحت سے پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

صفحات ۲۴۴ قیمت ۵/- روپے سستا ایڈیشن ۳/۵۰ روپے